اقبال—یورپ جانے سے پہلے

ڈاکٹر رؤف خیر

موتی محل، گولکنڈہ، حیدرآباد۔500008، موبائل:09440945645

علامہ اقبال کی پیدائش (نومبر ۱۸۷۷ء) سیال کوٹ میں ہوئی، وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور ایف اے بھی سیال کوٹ ہی میں کامیاب کیا۔ بی۔اے کرنے کے لیے اقبال کو لاہور جانا پڑا۔ وہیں اقبال کو ایک قابل اور مہربان استاد سر ٹامس آرنلڈ سے استفادے کا زریں موقع ملا۔ فلسفے سے اقبال کی دلچسپی دیکھ کر آرنلڈ نے انھیں اپنی شاگردی میں لیا۔ پھر یہ تعلق اس قدر گہرا ہوگیا کہ انگلستان تک دونوں کے درمیان قائم رہا۔ اقبال کے دیگر کئی اساتذہ میں پروفیسر نکلسن اور براؤن رہے ہیں۔ نکلسن نے اقبال کی فارسی نظم ''اسرارِ خودی'' کا انگریزی میں سب سے پہلے ترجمہ کیا اور مغربی دنیا میں اقبال کو روشناس کروایا۔

انجمن حمایت اسلام کے ایک جلسے میں علامہ اقبال سے خواجہ الطاف حسین حالی کی نظم پڑھوائی گئی تھی تو خوش الحانی سے یہ نظم پڑھنے سے پہلے اقبال نے ایک قطعہ سنایا تھا:

مشہور زمانے میں ہے نام حالی
معمور مئے حق سے ہے جامِ حالی
میں کشورِ شعر کا نبی ہوں گویا
نازل ہے مرے لب پہ کلامِ حالی

پھر یوں بھی ہوا کہ اقبال اپنی نظمیں بھی ان جلسوں میں سنانے لگے۔ ایک ایسی ہی نظم ''ہمالہ'' ہے جو ایسے ہی ایک جلسے میں اقبال نے پڑھی تھی۔

سر شیخ عبدالقادر نے بانگِ درا کے دیباچے میں اقبال کی ابتدائی شعری زندگی کے بارے میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ جب وہ اپنا رسالہ ''مخزن'' نکالنے لگے تو اس کی پہلی جلد کے پہلے ہی شمارے اپریل ۱۹۰۱ء میں اقبال کی نظم ہمالہ شائع کی جو کافی مقبول ہوئی۔ مخزن کے ہر نمبر کے لیے وہ اقبال کی کوئی نہ کوئی تخلیق حاصل کرتے رہے۔ یہ سلسلہ اقبال کے انگلستان جانے تک یعنی ۱۹۰۵ء تک جاری رہا۔

اقبال کی شعر گوئی کا احوال بیان کرتے ہوئے سر شیخ عبدالقادر دیباچے میں رقم طراز ہیں:

''طبیعت زوروں پر تھی۔ شعر کہنے کی طرف جس وقت مائل ہوتے تو غضب کی آمد ہوتی تھی۔ ایک ایک نشست میں بے شمار شعر ہوجاتے تھے۔ ان کے دوست اور بعض طالب علم جو پاس ہوتے، پنسل کاغذ لے کر لکھتے جاتے اور وہ اپنی دھن میں کہتے جاتے۔ میں نے انھیں اس زمانے میں کبھی کاغذ قلم لے کر فکرِ سخن کرتے نہیں دیکھا موزوں الفاظ کا ایک دریا بہتا یا ایک چشمہ ابلتا معلوم ہوتا تھا۔''

(دیباچہ، بانگِ درا، سر شیخ عبدالقادر)

انھوں نے مزید لکھا کہ اقبال کے حافظے کا یہ عالم تھا کہ پورے پورے اشعار ترتیب کے ساتھ انھیں یاد رہتے تھے۔ غالب کی شعر گوئی بھی عجیب وغریب تھی۔ رات جب ان کے ہاں شعر ہوتے تھے تو ہر شعر پر اپنے ازار بند میں ایک گرہ لگاتے تھے۔ صبح اٹھ کر ایک ایک گرہ کھولتے تھے اور شعر نوٹ کرتے جاتے تھے۔

بانگِ درا کا بیشتر کلام اقبال کے یورپ جانے سے پہلے کا کہا ہوا ہے۔ اقبال کی فکر پر اسلاف کے کارناموں کی چھاپ تھی۔ ان کی نظم ''ہمالہ'' ان کی شعری عمارت کا پہلا بنیادی پتھر ہے:

اے ہمالہ اے فصیلِ کشورِ ہندوستاں
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں
تجھ میں کچھ پیدا نہیں دیرینہ روزی کے نشاں
تو جواں ہے گردشِ شام وسحر کے درمیاں
ایک جلوہ تھا کلیم طور سینا کے لیے
تو تجلی ہے سراپا چشمِ بینا کے لیے

سر شیخ عبدالقادر کے ''مخزن'' اپریل ۱۹۰۱ء میں یہ نظم شائع ہوئی۔ اگلے ہی ماہ مئی ۱۹۰۱ء میں گل رنگیں۔ ایک مہینے کے وقفے کے بعد جولائی ۱۹۰۱ء میں اقبال کی نظم ''عہد طفلی'' مخزن میں شائع ہوئی پھر ایک مہینے کے

وقفے سے ستمبر ۱۹۰۱ء میں ''مرزا غالب'' کے لیے لکھا ہوا مرثیہ شائع ہوا:

فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے پرِ مرغِ تخیل کی رسائی تا کُجا
تھا سراپا روح تو۔ بزم سخن پیکر ترا
زیبِ محفل بھی رہا، محفل سے پنہاں بھی رہا
دید تیری آنکھ میں اس حسن کی منظور ہے
بن کے سوزِ زندگی ہر شے میں جو مستور ہے

پھر ایک ماہ کے وقفے سے نومبر ۱۹۰۱ء میں ان کی نظم ''ابر کوہسار'' مخزن میں شائع ہوئی یہ پانچوں نظمیں مسدس کے فارم میں ہیں۔ خواجہ الطاف حسین حالی کی ''مسدس مدوجزر اسلام'' کافی مقبول ہو چکی تھی۔ اس کے علاوہ انیس و دبیر کے مرثیے بھی اقبال کے کان میں پڑ چکے تھے کیوں کہ اقبال کے اولین استادوں میں سید میر حسن تھے جو شیعہ تھے اور ان کے گھر میں مجلس برپا ہوتی تھی۔ یہ وہی میر حسن ہیں جن کے لیے اقبال نے شمس العلما کا خطاب انگریزوں سے مانگا تھا۔

علامہ اقبال نے بچوں کے لیے بھی چند اہم نظمیں لکھیں جن میں سے بعض انگریزی نظموں سے ماخوذ تھیں جیسے ایک پہاڑ اور گلہری۔ (ایمرسن سے ماخوذ The mountain and the Squirrel)، ایک مکڑا اور مکھی میری ہیوٹ Mary Hawitt کی نظم The Spider and the Fly سے ماخوذ ہے ایک گائے اور بکری Jane Taylor کی نظم The Cow and the Ass سے ماخوذ ہے اقبال نے اپنی خوش ذوقی کی وجہ سے گدھے کی جگہ بکری کو مناسب جانا۔ علامہ اقبال کی مشہورِ خاص و عام ''بچے کی دعا'' دراصل Metilda Betham میٹلڈا بیتھم کی نظم A Child's Hymn سے اٹھایا ہوا خیال ہے:

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

بچوں کے لیے لکھی ہوئی اقبال کی نظم ''ہمدردی'' ولیم کوپر کی نظم (Nightingale and the Glowworm) سے استفادہ ہے:

ٹہنی پہ کسی شجر کی تنہا
بلبل تھا کوئی اداس بیٹھا

ماں کا خواب W. Barnes کی نظم The Mothers Dream سے اٹھایا ہوا خیال ہے۔

مارچ ۱۹۰۳ء میں منشی سراج الدین کے نام ایک خط میں اقبال نے اپنی شاہ کار نظم ''پرندے کی فریاد'' لکھ بھیجی تھی۔

آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ
وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا چہچہانا

یہ نظم ''مخزن'' فروری ۱۹۰۷ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ بچوں کے لیے کہی ہوئی یہ ساری نظمیں اقبال نے یورپ جانے سے پہلے کہی تھیں۔

علامہ اقبال شروع ہی سے ایک سوچتا ہوا ذہن لے کر پیدا ہوئے تھے۔ جنت جہنم، موت و حیات کے تعلق سے اقبال کی فکر ان کی نظم ''خفتگانِ خاک سے استفسار'' سے ظاہر ہوتی ہے جو فروری ۱۹۰۲ء کے مخزن میں شائع ہوئی تھی جس میں اقبال سوال پر سوال کیے جا رہے ہیں:

باغ ہے فردوس یا اک منزلِ آرام ہے؟
یا رُخِ بے پردۂ حسنِ ازل کا نام ہے؟
کیا جہنم معصیت سوزی کی اک ترکیب ہے؟
آگ کے شعلوں میں پنہاں مقصدِ تادیب ہے؟
کیا عوض رفتار کے اس دیس میں پرواز ہے؟
موت کہتے ہیں جسے اہلِ زمیں کیا راز ہے؟

یہ سوالات محمود شبستری نے بھی گلشنِ راز جدید میں اٹھائے تھے۔

علامہ اقبال نے شمع، پروانہ، عقل، دل، آرزو، آفتاب جیسی علامتوں سے کام لے کر اپنی فکر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ساری نظمیں یورپ جانے سے پہلے کہی گئی ہیں۔ شمع و پروانہ (خدنگِ نظر، جنوری ۱۹۰۲ء) میں اور پھر دوبارہ مخزن اپریل ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی۔

مرزا غلام احمد قادیانی سے اقبال کے ایک بھائی متاثر تھے۔ قادیانی چاہتے تھے کہ کسی طرح اقبال بھی ان کے حلقۂ اثر میں آ جائیں۔ کہا جاتا ہے کہ اقبال نے قادیانی جماعت کے پیغام بیعت کے جواب میں ایک نظم کہی ''عقل و دل''، جو مخزن مئی ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی پھر یہی نظم محمد الدین فوق کے ''پنجۂ فولاد'' لاہور ۱۴ر جون ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی۔ ان کے بعد ہفت روزہ ''العلم قادیان'' کے تین شماروں میں ۱۔ ۷۔ ۱۴ فروری ۱۹۰۳ء کو شائع ہوئی مخزن میں جب چھپی تو یہ نظم چالیس اشعار پر مشتمل تھی، مگر بانگِ درا میں صرف تیرہ اشعار ہی بار پا سکے۔ چونکہ یہ نظم ''العلم قادیان'' میں بھی شائع ہو چکی ہے اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ کسی قسم کی معذرتی نظم ہے اس میں عقل و دل کے مابین مکالمہ دکھایا گیا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند جین نے تو نظم کے مختلف پرچوں میں شائع ہونے کا ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ابتدائی کلام اقبال بہ ترتیبِ مہ و سال۔ اردو ریسرچ سنٹر حیدرآباد۔ سنہ اشاعت ۱۹۸۸ء) البتہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی مرتبہ کلیات باقیاتِ شعر اقبال (متروک اردو کلام) ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی،

سنہ اشاعت ۲۰۰۵ء میں انھوں نے کچھ شعر ایسے دیے ہیں جن سے اقبال کا ذہن پڑھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس میں بھی اقبال کی صلح کل والی مصلحت آمیز روِش کا پتہ چلتا ہے۔ وہ برے کو بھی برا کہنا نہیں چاہتے تھے:

میں نے مانا کہ بے عمل ہوں میں
رمز وحدت سے آشنا ہوں میں
میں کسی کو برا کہوں توبہ
ساری دنیا سے خود برا ہوں میں
بھائیوں میں بگاڑ ہو جس سے
اس عبادت کو کیا سراہوں میں

مخزن جنوری ۱۹۰۳ء میں اقبال کی نظم ''سید کی لوحِ تربت'' شائع ہوئی ہے:

بندۂ مومن کا دل بیم و ریا سے پاک ہے
قوتِ فرماں روا کے سامنے بے باک ہے

اقبال نے سرسید کی وفات پر ''**اِنی متوفیک و رافِعُک الی و مطھرک**'' سے تاریخ وفات ۱۳۱۵ مطابق ۱۸۹۸ء بھی نکالی تھی۔ اس طرح سرسید سے اپنی ذہنی یگانگت کا اقبال نے ثبوت دیا۔

اقبال کی ابتدائی زندگی میر حسن سیال کوٹی کی تربیت میں گزری اس لیے ان پر شیعیت کا غلبہ رہا۔ اس کے علاوہ شیعہ علما سے بھی اقبال متاثر تھے جیسے شیخ عبدالعلی تہرانی ہروی، شیخ عبدالکریم زنجانی وغیرہ۔ اقبال اپنی نظم ''زہد اور رندی'' میں ایک مولوی صاحب کے حوالے سے اپنا تعارف کراتے ہیں:

اک مولوی صاحب کی سناتا ہوں کہانی
تیزی نہیں منظور طبیعت کی دکھانی
کہتے تھے کہ پنہاں ہے تصوف میں شریعت
جس طرح کہ الفاظ میں مضمر ہوں معانی
کرتے تھے بیاں آپ کرامات کا اپنی
منظور تھی تعداد مریدوں کی بڑھانی

اقبال کے بارے میں مولوی کی زبانی اپنا تعارف یوں دیتے ہیں:

ہے اس کی طبیعت میں تشیع بھی ذرا سا
تفضیلِ علی ہم نے سنی اس کی زبانی

یہاں اقبال نے تکلف سے کام لیا ہے ورنہ مصرع یوں ہونا چاہئے تھا:

ہے اس کی طبیعت میں تشیع بھی بلا کا

حضرات ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم پر حضرت علیؓ کو تبھی فضیلت دی جاسکتی ہے۔

ڈاکٹر اکبر حیدری کا ایک مقالہ ان کی پہلی برسی کے موقع پر ماہ نامہ ''حکیم الامت'' ستمبر ۲۰۱۳ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے جس میں کہا گیا ہے:

''۱۹۰۳ء ہی میں اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد (م ۱۹۴۰ء) جو اقبال کے کفیل تھے، ایبٹ آباد ہزارہ میں سب ڈویژنل آفیسر ملٹری تھے کسی فوجداری مقدمے میں ملوث پائے گئے۔ (گیان چند جین نے سب اور سیر لکھا ہے) اقبال ان کی رہائی کے لیے بے حد پریشان تھے۔ انھوں نے غم غلط کرنے کے لیے ایک نظم ''برگِ گل'' کے عنوان سے لکھی اور اپنے یار حضرت خواجہ حسن نظامی کے توسل سے خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی درگاہ دہلی میں نذرانے کے طور پر آویزاں کرائی تھی۔ (یہ نظم مخزن ستمبر ۱۹۰۳ء میں شائع ہو چکی ہے) ''برگ گل'' اقبال کے متداول دیوان میں تو نہیں شامل ہے، مگر صابر کلوروی نے متروک اردو کلام میں اس کا ذکر ضرور کیا ہے اور پوری طویل نظم بھی دی ہے۔ اقبال کی ذہنیت سے آگہی کے لیے ہم یہاں دو چار اشعار پیش کرتے ہیں:

کیوں نہ ہوں ارماں مرے دل میں کلیم اللہ کے
طور در آغوش ہیں ذرے تری درگاہ کے

اپنے بھائی عطا محمد کے حوالے سے جو سرکاری نوکری سے معطل ہو کر سزا بھگت رہے تھے، اقبال کہتے ہیں:

ہو اگر یوسف مرا زحمت کشِ چاہِ الم
چین آئے مصر آزادی میں پھر کیوں کر مجھے
رونے والا ہوں شہیدِ کربلا کے غم میں۔ میں
کیا دُرِ مقصد نہ دیں گے ساقیِ کوثر مجھے

اقبال نے یہ نظم خواجہ حسن نظامی کے توسل سے درگاہ میں لٹکانے کے لیے بھیج دی تھی وہ اس کا جواز یہ پیش کرتے ہیں:

آہ تیرے سامنے آنے کے ناقابل ہوں میں
منہ چھپا کر مانگتا ہوں تجھ سے وہ سائل ہوں میں

متروک کلام سمجھ کر اسے نظر انداز کیا جاسکتا تھا، مگر اسی نوعیت کی ایک اور نظم ''التجائے مسافر'' بھی اقبال کے قلم سے نکلی جو ''بانگِ درا'' میں شامل ہے اور جو مخزن اکتوبر ۱۹۰۵ء میں شائع ہوئی۔ یورپ کے لیے رختِ سفر باندھنے سے پہلے اقبال اپنا بھائی، خیال رکھنے کے لیے حضرت نظام الدین اولیاؒ کے حوالے کر جاتے ہیں۔ ان کی یہ نظم التجائے مسافر (بہ درگاہِ حضرتِ محبوب الٰہی دہلی) آج بھی وہاں کندہ دیکھی جاسکتی ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تری فیض عام ہے تیرا

تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

نظم میں آگے وہ کچھ گزارشات بھی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔اپنے ماں باپ،شیعہ استاد میر حسن اور معطل شدہ بھائی عطا محمد سے اپنے قلبی لگاؤ کا اظہار بھی کرتے ہیں:

مری زبانِ قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیرِ آسماں مجھ کو
پھر آ رکھوں قدم مادر و پدر پہ جبیں
کیا جنھوں نے محبت کا رازداں مجھ کو
شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
یہ التجائے مسافر قبول ہوجائے

انگلستان روانہ ہونے سے پہلے اقبال نے اپنے جذبات ''التجائے مسافر'' کے عنوان سے بارگاہِ حضرت محبوب الٰہیؒ میں پیش کیے کہ وہ ان کے عزیزوں کا خیال رکھیں۔اطلاعاً عرض ہے کہ اقبال کی پہلی بیوی کریم بی بی کے والد بھی ڈاکٹر عطا محمد کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے اولین سند یافتہ تھے وہ جدہ میں حکومتِ برطانیہ کی طرف سے وائس قونصل رہ چکے تھے۔ پھر پنجاب کے مختلف اضلاع میں سول سرجن بھی تعینات رہ چکے تھے۔ بے پناہ دولت کے مالک تھے۔گجرات کے محلّہ شال بافاں کی ایک محل نما حویلی میں رہتے تھے۔اقبال نے ان کی بیٹی کریم بی بی سے قطع تعلق کرلیا تھا ورنہ وہ اقبال کے تعلیمی اخراجات برداشت کر سکتے تھے۔ایسی صورت میں انہی کے ہم نام شیخ عطا محمد جو اقبال کے بڑے بھائی تھے،اقبال کی پرورش میں حصہ لے رہے تھے۔ورنہ اقبال کے والد شیخ نتھو عرف شیخ نور محمد تو ٹوپیاں سی کر گزارا کرتے تھے۔وہ بھلا اقبال کو اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان کیسے بھیج سکتے تھے۔اسی لیے اقبال اپنے بڑے بھائی عطا محمد معطل شدہ کے لیے بہت زیادہ فکرمند تھے۔انگلستان جانے سے پہلے انہیں حضرت محبوب الٰہی کو سونپا کہ دوبارہ انھیں ملازمت پر بحال کروادیں۔نظم ''التجائے مسافر'' کے بہت سارے شعر اقبال نے حذف کرڈالے تھے۔ ایک شعر میں حسن نظامی کا شکریہ بھی ادا کیا:

بھلا ہو دونوں جہاں میں حسن نظامی کا
ملا ہے جس کی بدولت یہ آستاں مجھ کو

یہ وہی حسن نظامی ہیں جنھوں نے اقبال کے خلاف ایک مہم چلائی تھی جب اقبال حافظ شیرازی اور تصوف کے خلاف لکھ رہے تھے۔

یورپ جانے سے پہلے اقبال وطن کی محبت میں سرشار تھے۔ ہند ومسلم اتحاد کے متمنی تھے اور سیکولر نظمیں لکھیں۔انسانیت کے پیغام کو عام کیا۔ان کا ''ترانۂ ہندی''

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

بہت مقبول ہوا اس کی مقبولیت میں آج تک کمی نہیں آئی۔ یہ ترانۂ ہندی ۱۶/اگست ۱۹۰۴ء کو لکھا گیا تھا۔سب سے پہلے دیا نرائن نگم کے ''زمانہ'' ستمبر ۱۹۰۴ء میں اور پھر مخزن اکتوبر ۱۹۰۴ء میں شائع ہوا۔ ہندوستان میں تو یہ قومی ترانے کا درجہ رکھتا ہے۔پھر اقبال کی فکر میں تبدیلی آئی وہ وطنیت سے آفاقیت تک پہنچے:

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

گویا۔ہر ملک،ملک ماست کہ ملکِ خدائے ماست۔

''ہندوستانی بچوں کا قومی گیت'' بھی حُبِ وطن کا شاہ کار سمجھا جاتا ہے۔یہ گیت مخزن فروری ۱۹۰۵ء میں شائع ہوا ہے:

چشتی نے جس زمیں میں پیغامِ حق سنایا
نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا
جس نے حجازیوں سے دشتِ عرب چھڑایا
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

علامہ اقبال من حیث القوم تمام ہندوستانیوں کے لیے نیک خواہشات و جذبات رکھتے تھے۔انجمن حمایت اسلام میں پڑھی جانے والی نظم ''تصویرِ درد'' مارچ ۱۹۰۴ء کے مخزن میں شائع ہوئی تھی۔اس نظم میں اقبال نے اشاروں کنایوں میں اپنا درد بیان کرنے کی کوشش کی ہے:

نہیں منت کشِ تاب شنیدن داستاں میری
خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری
یہ دستورِ زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری
اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری
وطن کی فکر کر، ناداں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤں گے اے ہندوستاں والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

اقبال نے نظموں غزلوں کے ساتھ ساتھ اپنے اپنے بعض استادوں کے مرثیے بھی کہے جیسے مئی ۱۹۰۴ء کے مخزن میں ''نالۂ فراق'' کے عنوان سے فلسفے کے اپنے استاد آرنلڈ کی یاد میں مسدس کے فارم میں ایک مرثیہ کہا:

تو کہاں ہے اے کلیم ذرہ سینائے علم
تھی تری موجِ نفس بادِ نشاط افزائے علم
اب کہاں وہ شوق رہ پیمائی صحرائے علم
تیرے دم سے تھا ہمارے سر میں بھی سودائے علم

اپریل ۱۹۰۵ء کے مخزن میں اپنے ایک استاد داغ دہلوی کا مرثیہ اقبال نے شائع کروایا:

چل بسا داغ آہ میت اس کی زیبِ دوش ہے
آخری شاعر جہان آباد کا خاموش ہے

علامہ اقبال نے داغ کی تاریخ وفات ان کے نام ہی سے نکال کر اپنی ذہانت کا ثبوت بھی دیا تھا۔ ''نواب میرزا داغ'' جس سے ۱۳۲۲ ہجری نکلتی ہے جو داغ کی وفات کا سنہ ہے۔

یورپ جانے سے پہلے نوجوان اقبال نے اس دور کی روایت کے مطابق رومانی غزلیں کہیں:

نہ آتے ہمیں اس میں تکرار کیا تھی
مگر وعدہ کرتے ہوئے عار کیا تھی
تمہارے پیامی نے سب راز کھولا
خطا اس میں بندے کی سرکار کیا تھی
تامّل تو تھا ان کو آنے میں قاصد
مگر یہ بتا طرزِ انکار کیا تھی

یہ غزل مخزن جون ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ پھر مخزن نومبر ۱۹۰۱ء میں جو غزل شائع ہوئی اس کا مطلع ہے:

لاؤں وہ تنکے کہاں سے آشیانے کے لیے
بجلیاں بے تاب ہوں جن کو جلانے کے لیے

۱۹۰۳ء میں کہی ہوئی غزل فروری کے مخزن میں اور ''خدنگِ نظر'' میں شائع ہوئی۔ جس کا آخری شعر ہے:

میرے مٹنے کا تماشا دیکھنے کی چیز تھی
کیا بتاؤں ان کا میرا سامنا کیوں کر ہوا

۱۹۰۴ء کے دکن ریویو میں اقبال کی ایک اور دلچسپ غزل شائع ہوئی جس کا مطلع و مقطع ہے:

انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کونسی بستی کے یارب رہنے والے ہیں
مرے اشعار اے اقبال کیوں پیارے نہ ہوں مجھ کو
مرے ٹوٹے ہوئے دل کے یہ درد انگیز نالے ہیں

اقبال کی ایک غزل فروری ۱۹۰۳ء میں کہی گئی تھی؟ مگر اپریل ۱۹۰۳ء کے مخزن میں شائع ہوئی:

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

ایک اور مشہور و مقبول غزل مخزن جنوری ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی:

ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں
بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی
بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

اقبال یوں تو داغ کے شاگرد تھے، مگر انہیں گہری دلی عقیدت امیر مینائی سے تھی۔ انھوں نے امیر مینائی کے مصرع ''غزل کیا ہے یہ پھولوں سے بھری گل چیں کی جھولی ہے۔'' پر انیس (۱۹) اشعار کی بڑی رومانی غزل کہی، مگر اسے اپنے متداول دیوان میں شامل نہیں رکھا:

لڑکپن کے ہیں دن صورت کسی کی بھولی بھولی ہے
زباں میٹھی ہے، لب ہنستے ہیں پیاری پیاری بولی ہے

اقبال نے امیر مینائی کی وفات پر قرآنی آیت ''لسان صدق فی الآخرین'' سے ان کی تاریخ وفات ۱۳۱۸ھ نکالی تھی اور ان کے فکر و فن پر انگریزی میں ایک جامع مضمون لکھنا چاہتے تھے۔ امیر مینائی کی زمین میں کہی ہوئی مذکورہ بالا غزل سیالکوٹ کے رئیس آغا محمد باقر خاں قزلباش آنریری مجسٹریٹ کے بیٹے محمد ناصر کے ختنے کے غسل صحت کے موقع پر کہی گئی تھی جو مخزن اپریل ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی۔ ایسی ہلکی پھلکی لمحاتی شاعری جو تفنن طبع کے طور پر کہی گئی تھی اقبال کے شایانِ شان نہیں تھی۔ اپنے معیار سے فروتر ہونے کی وجہ سے ایسی تمام تخلیقات اقبال نے رد کر دیں۔

اقبال نے اپنی بے شمار نظمیں، غزلیں کبھی پوری کی پوری اور کبھی جزوی طور پر مسترد کر دیں۔ ''ابتدائی کلام اقبال بہ ترتیب ماہ و سال'' مطبوعہ اردو ریسرچ سنٹر حیدرآباد سنہ اشاعت ۱۹۸۸ء میں ڈاکٹر گیان چند جین نے کافی تفصیلات جمع کر دی ہیں۔ کلیات باقیاتِ شعر اقبال متروک اردو کلام میں ڈاکٹر صابر کلوروی نے بھی ایسی کئی تخلیقات شائع کیں جنہیں اقبال نے نظر انداز کر دیا تھا۔ (مذکورہ کتاب ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،

دہلی سے ۲۰۰۵ء میں شائع ہوئی)

اس میں شک نہیں کہ اقبال نے اپنا بہت سارا کلام خود ہی رد کر دیا تھا، مگر ان کے عقیدت مندوں نے اسے بھی ڈھونڈ نکالا جس طرح غالب کا رد کردہ کلام بھی منظر عام پر لایا گیا۔ گیا چند جین نے اقبال کے کلام میں عروض و زبان و بیان کی خامیوں کی نشان دہی بھی کی اور گواہی میں لبھو رام جوش ملسیانی کو پیش کیا جو خود کبھی کوئی اچھا شعر نہ کہہ سکے نہ کسی خوش ذوق کو ان کا شعر ہی یاد ہے، مگر جوش ملسیانی نے ایک کتابچہ ''اقبال کی خامیاں'' لکھا تھا۔

عزیز احمد نے سب سے پہلے اقبال کے رد کردہ کلام کے سلسلے میں تحقیقی مضمون لکھ کر ماہرین اقبالیات کو چونکایا تھا، مگر حیرت کی بات ہے کہ بعد میں اس موضوع پر کام کرنے والوں نے عزیز احمد کی تحقیق کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا۔

اقبال کا پہلا اردو مجموعۂ کلام ''بانگِ درا'' سب سے پہلے ستمبر ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا اس سے چند ماہ پیشتر اقبال کے ایک معتقد مولوی محمد عبدالرزاق نے ۲۲۰ صفحات پر مشتمل ایک مجموعہ ''کلیاتِ اقبال'' کے نام سے شائع کر دیا تھا۔ اس میں اقبال کا کلام بالکل اسی طرح چھاپا گیا تھا جیسا وہ مخزن اور دوسرے رسائل و اخبارات میں چھپتا رہا تھا۔ کلیاتِ اقبال کے شروع میں مولوی عبدالرزاق کا لکھا ہوا ۱۳۶ صفحات کا ایک دیباچہ بھی شامل تھا۔ انھوں نے اپنے طور پر کلام اقبال کی چند عنوانات کے تحت درجہ بندی بھی کی تھی۔ اقبال کو موصوف کی یہ حرکت پسند نہیں آئی کہ ان کے سارے کلام کا مجموعہ ان کی اجازت اور بلانظر ثانی شائع کر دیا گیا۔ تصفیے کے تحت کلیاتِ اقبال کی فروخت بند کر دی گئی اور غیر فروخت شدہ ساری جلدیں اقبال کے حوالے کر دی گئیں۔

۱۹۲۳ء ہی میں احمد دین نے بھی اقبال کی اجازت کے بغیر ایک مجموعہ ''اقبال'' شائع کیا تھا، مگر اقبال کی ناراضگی کے پیش نظر ساری جلدیں نذرِ آتش کر دی گئیں۔ پھر بھی چند ایک نسخے بچ گئے تھے۔ اسی مجموعے ''اقبال'' کو مشفق خواجہ نے ۱۹۷۹ء میں دوبارہ شائع کیا تھا۔

عزیز احمد نے اپنی وفات ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۸ء سے بہت پہلے ایسی نظمیں کھوج نکالیں اور ایسے اشعار کی نشان دہی کی جنھیں ''بانگِ درا'' کی ترتیب کے وقت اقبال نے رد کر دیا تھا جیسے کنج تنہائی، دنیا، مفلسی، نوائے غم وغیرہ نظمیں جو بانگِ درا میں شامل نہیں۔ بعض نظموں میں اقبال نے بعد میں حذف و اضافہ کیا تھا۔ غزلوں کے اشعار میں بھی ترمیم کی تھی۔

عزیز احمد نے بتایا کہ اقبال نے اپنے کلام کا جو حصہ رد کیا وہ تین اصول کے تحت تھا۔

۱۔ ایسی نظمیں جہاں مذہب یا ملی تصور سے براہِ راست تضاد پیدا ہوتا تھا جیسے ''نیا شوالہ'' کا وہ حصہ جس میں بت پرستی اور وحدت الوجود دونوں شامل ہیں۔

۲۔ زبان و بیان کی درستی کے پیش نظر کئی نظمیں خارج کر دیں۔

۳۔ امرا کی مدح کو حذف کر دیا جیسے مہاراجہ کشن پرشاد کے متعلق بہت سے اشعار۔ (بحوالہ گم گشتہ متاعِ عزیز، مرتبہ ڈاکٹر صدیق جاوید، مغربی پاکستان اردو اکاڈیمی ستمبر ۲۰۰۸ء)

گیان چند جین نے حیدرآباد کے مشہور زمانہ عبدالصمد خاں کے نادر و نایاب کتب ورسائل پر مشتمل کتب خانہ (اردو ریسرچ سنٹر) سے استفادہ کرتے ہوئے ابتدائی کلامِ اقبال بہ ترتیبِ ماہ و سال ۱۹۸۸ء میں شائع کیا جس میں اقبال کے متروک کلام کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔

اقبال کے متروک اردو کلام پر مشتمل ''کلیاتِ باقیاتِ شعرِ اقبال'' مرتبہ ڈاکٹر صابر کلوروی ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ اس موضوع پر سب سے پہلے کام کرنے والے عزیز احمد کا دونوں مرتبین نے قطعی ذکر نہیں کیا ہے۔

ڈاکٹر ظ۔ انصاری زندگی پھر کمیونزم کی حمایت کرتے رہے، مگر آخری عمر میں تائب ہو کر انھوں نے ایسی تمام کتابوں کو علی الاعلان Disown کر دیا۔ (وجہ چاہے کچھ رہی ہو)۔ تصوف کو اسلام کی سرزمین میں اجنبی پودا قرار دینے والے علامہ اقبال نے تصوف کو شریعت اور قرآنی تعلیمات کے خلاف سمجھتے ہوئے محی الدین ابن عربی اور حافظ کو دین اسلام کے لیے مضر قرار دیا، مگر صوفیانہ عقائد سے ہمیشہ وابستہ بھی رہے۔ بلا جھجک یہ بھی اعتراف کیا:

پوچھتے کیا ہو مذہبِ اقبال
یہ گنہگار بو ترابی ہے
بغض اصحابِ ثلاثہ سے نہیں اقبال کو
دق مگر اک خارجی سے آ کے مولائی ہوا

خواجہ اجمیری، محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیا، شیخ احمد سرہندی جیسے بزرگوں سے اقبال کو عقیدت رہی۔ یہاں تک کہ اقبال اپنے بیٹے دس سالہ جاوید اقبال کو لے کر ۱۹۳۴ء میں شیخ احمد سرہندی کے مزار پر حاضری دیتے ہیں کیوں کہ انہوں نے منت مانی تھی کہ جاوید جب دس سال کے ہو جائیں گے تو انھیں سرہند لے آئیں گے۔ مخفی مباد کہ جاوید کی پیدائش اکتوبر ۱۹۲۴ء کی ہے۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ اقبال کی عقیدت بزرگان دین سے آخری عمر تک برقرار رہی۔ اقبال کا کمال تو یہ ہے:

بد عتی اور خبیث بھی خوش تھے
اُن سے اہل حدیث بھی خوش تھے

○○